© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اُردو کے معاملات و مسائل

اب وہ حضرات جنہوں نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان کو اردو کی حفاظت کا قلعہ بنایا تھا۔ وہ فرمائیں کہ کیا حفاظت اسی طرح ہوتی ہے؟ اور کیا اسی کو قلعہ کہا جاتا ہے۔ پورے پاکستان میں یوپی اور بہار کے مہاجرین کا ایک طبقہ ہے جو اردو زبان کو اب تک سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ اور جس کی عورتیں اور بچے اُردو میں بولتے اور گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن اول تو اس طبقہ کی بڑی آبادی کراچی میں ہے۔ اس لئے اردو بحیثیت ایک بولی کے ایک شہر میں نہیں بلکہ اس کے بھی بعض علاقوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اور پھر وہاں بھی ماحول بدل رہا ہے۔ سوسائٹی کے طور طریق تبدیل ہو رہے ہیں۔ اور فضا روز بروز متغیر ہوتی جارہی ہے۔ ان کو اپنے جدید ہم وطنوں کی طرف سے اپنی زبان اور تہذیب پر وقتاً فوقتاً جلی کٹی باتیں بھی سنّی پڑ رہی ہیں۔ اس بنا پر پاکستان کی مرکزی حکومت میں اُردو کو ریاستی زبان تسلیم کر لینے کے باوجود کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا؟ مہاجرین کے بوڑھے بڑے مرد اور عورتیں آج جس زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ کل ان کی آئندہ نسلیں بھی اس زبان میں گفتگو کر سکیں گی یا نہیں؟ اس سوال کا جواب اثبات میں دینا بہت مشکل ہے۔

یہ تلخ اور بے مزہ داستان اس لئے دہرائی گئی ہے کہ مسلمانوں میں احتساب نفس اور خود اپنے اوپر تنقید کا جذبہ اور مادہ پیدا ہو اور وہ یہ محسوس کریں کہ انہوں نے خود اپنے اوپر اپنی زبان اور اپنی تہذیب پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ بدقسمتی سے ہم عادی اس بات کے ہو گئے ہیں کہ اپنا کام خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بگاڑیں اور دوسروں سے (خواہ وہ حکومتِ ہند ہو یا ہندوستان کی اکثریت (جس کا ذکر آ رہا ہے) یا پاکستان کی حکومت اور وہاں کی اکثریت) اس کی توقع قائم کریں کہ وہ ہماری بگڑی کو بنا دیں گے۔ اور جس جامہ کو اپنے دستِ جنوں سے ہم نے تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ دوسرے اس پر بخیہ گری کر کے ہمیں دے دیں گے۔ جو قوم اس درجہ کی سست عہد۔ کام چور۔ دوسروں کی چشم کرم کی محتاج (PARASITE) ہو وہ نہ اپنی حفاظت کر سکتی ہے اور نہ اپنی زبان اور تہذیب کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔ صحیح عمل کی شرط یہ ہے کہ انسان میں خود شناسی پیدا ہو اور وہ کھلے دل سے اپنے افکار و خیالات احساسات و جذبات اور اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لے اور اگر ایک مدت کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اس کو یہ محسوس ہو کہ اس نے ایک غلطی کی تھی جس کا نتیجہ بد آج اس کو اس صورت میں دیکھنا پڑ رہا ہے تو اب اس کا فرض ہے کہ وہ اب تک جس راستہ پر چلتا رہا ہے اسے ترک کر کے تلافی مافات کے لیئے ایک نیا قدم اُٹھائے۔ محض گردشِ روزگار کا تماشائی بنے رہنے سے قوموں کی تقدیر نہیں بدلتی!!

یہ تو اُردو کی سرگزشت تھی۔ اس ملک کی جس کو مسلمانوں نے اُردو کے لیئے ایک حفاظتی قلعہ کی حیثیت سے بنوایا تھا۔ اور جہاں کی وہ حکومتی اور قومی زبان تھی بھی! اب آئیے آپ اپنے ملک میں دیکھیں کہ گذشتہ ایک ربع صدی سے اس پر کیا گذر رہی ہے۔ اور کیوں؟ تاریخ مسلمانوں اور ہندؤں کے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی کہ ایک نے زبان کا دامن مذہب سے وابستہ کر کے اس کی وسعتوں کو محدود اور صرف ایک مذہبی گروہ کے اندر اس کو مقید کر دیا اور اس کو ملک کی تقسیم کے اسباب و دواعی میں سے ایک داعیہ بنایا اور دوسرے نے جواب ترکی بترکی کو اپنا دستور بنا کر اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا کہ اوٹ پٹانگ کسی کے کہنے کا اعتبار! اردو تو درحقیقت خود ان کی اپنی بھی زبان ہے اور اس کے پروان چڑھانے میں ان مدعیان خود کام کے علاوہ ان کے اپنے بزرگوں کا بھی بڑا قابلِ قدر حصہ ہے۔ ایک گھر اگر دو شخصوں میں مشترک ہے اور ایک شخص پاگل ہو کر چیخنا چلانا شروع کر دے کہ یہ گھر تو میرا ہے۔ تو اس صورت میں شریکِ ثانی کی عقل مندی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت شناسی کا تقاضا کیا ہونا چاہیے! یہ کہ وہ بھی پاگل بن جائے اور انتقام کے جذبہ میں اس گھر کو ہی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے جتن کرنے لگے۔ یا یہ کہ کم از کم اپنے حصّہ کی نگہداشت کرے اور اسے برباد نہ ہونے دے۔ اُردو کے معاملہ میں بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا۔ اس ملک کی اکثریت نے جذبۂ انتقام سے لبریز ہوکر اُردو زبان سے نہ صرف اپنا رشتہ منقطع کر لیا۔ بلکہ اس کو اس ملک کی زبان تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ اور یہ انکار اس زور و شور اور قوت کے ساتھ کیا گیا کہ اکثریت میں جو لوگ انصاف پسند تھے۔ ان کو یا تو اس کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی اور اگر کسی نے اِکّا دُکّا اس کے خلاف آواز اُٹھائی بھی تو وہ انبوہِ کثیر کے شور و غل میں دب دبا کر رہ گئی اس صورت حال نے اُردو کی اصل پوزیشن ہی بدل دی۔ حد یہ ہے کہ اب مرکزی حکومت یا بعض ریاستی حکومتیں اردو کے لئے کچھ کر بھی رہی ہیں تو اس لیے نہیں کہ یہ ایک اہم قومی مسئلہ ہے۔ بلکہ اس نیم شعوری تخیل کے ساتھ کہ یہ مسلمانوں کا معاملہ ہے اور حکومت ان کو مطمئن کرنا چاہتی ہے۔ یہ درحقیقت اردو کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ بلکہ ناانصافی ہی کی ایک دوسری انصاف نما شکل ہے اور اس لئے اردو کو اس پر خوش یا مطمئن ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ ذکر تو یہاں ضمناً آ گیا۔ ورنہ آگے اپنے موقع پر گورنمنٹ کے ان کارناموں پر تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ بہرحال تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملک میں اردو لاوارث۔ بے یار و مددگار اور زبون حال ہو کر رہ گئی۔ اس کا نقش وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ اور چاروں طرف سے اس پر مخالفانہ یورشیں ہونے لگیں۔ ظاہر ہے جب اپنے بھی کترانے لگے ہوں، تو اس کے بقا کی کیا ضمانت ہو سکتی تھی۔ لیکن بحیثیت ایک علمی اور ادبی زبان کے اُردو کی رعنائی، دلکشی، اور جاذبیت اور اس وجہ سے اس کی صلاحیت زیست و بقا کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان سخت مایوس کن اور دل شکن حالات میں بھی علم و ادب کی جانی پہچانی منزلوں میں کوئی منزل ایسی نہیں ہے جس میں اس کی ترقی کا قدم رکا ہو اور وہ برابر آگے نہ بڑھتی رہی ہو۔ اگرچہ شاعری کے میدان میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے پیش رفت کی ہے اس میں نئے تجربے ہوئے۔ اور کچھ نئے آہنگ سنائی دیتے ہیں لیکن چونکہ ہر زمانہ کی شاعری اس زمانہ کے سماج کی ترجمان ہوتی ہے۔ اس بنا پر ان پچیس برسوں میں یہاں شاعری کا جو ذخیرہ پیدا ہوا ہے اس میں مجموعی حیثیت سے ناکامی درماندگی کا احساس قنوطیت، جھنجلاہٹ، تلخی، بدمزگی فراریت زیادہ پائی جاتی ہے۔ بے شبہ غم اور سوز و گداز شاعری کی جان ہے۔ لیکن صرف وہ غم جو زیست کا ارمان بن گیا ہو اور وہ سوز و گداز جو حوصلۂ عشق و محبت کی جبین کا نور ہو۔ لیکن نئی نسل کی شاعری میں غم اور سوز و گداز دونوں اپنی اس صفت سے محروم ہیں۔ اس بنا پر اس شاعری کی آواز گھٹی گھٹی اور لب و لہجہ پھیکا پھیکا سا ہے۔ یہ شاعری سماج کی ترجمانی ضرور کرتی ہے۔ لیکن اسے کوئی راہ نہیں دکھاتی غم کی کہانی سناتی ہے لیکن غم کو حاصلِ زیست بنا لینے کا حوصلہ نہیں بخشتی۔ یہ سرمایہ داری طبقاتیت اور سماج میں اونچ نیچ کی مرثیہ خواں ہے۔ لیکن جو عشق آتشِ نمرود میں بے خوف و خطر کود پڑتا ہے اور جو حسنِ مطلق و مجرد کہ محیطِ کائنات اور رازِ کن فکاں ہے۔ ان دونوں کی طرف سے اس شاعری کی آنکھیں بند ہیں۔ اس بنا پر یہ شاعری ہنگامی اور وقتی ہے اور اس میں وہ ابدیت نہیں ہے جو ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کو تر و تازہ اور زندہ و پائندہ رکھ سکے۔ ہماری پرانی نسل کے شاعر جو اب چند ہی رہ گئے ہیں۔ ان قدروں کو اب تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور یہ ان ہی کے انفاسِ گرم کا صدقہ ہے۔ کہ تقسیم کے بعد بھی یہاں اردو شعر و شاعری کے باغ میں خزاں نہیں آئی۔ جدید شاعری کے عنوان سے جو نئے تجربے ہو رہے ہیں ان کا مستقبل ابھی غیر یقینی ہے۔ اب تک اس کو قبولِ عام کی سند نہیں ملی۔ اس لئے اس کے متعلق ابھی پیشن گوئی کرنا قبل از وقت ہے

شاعری سے قطع نظر علم و ادب کے ہر میدان میں اس کی تاخت جاری ہے۔ تقسیم سے پہلے جو ادارے قائم تھے مثلاً دار المصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین دہلی۔ انجمن ترقی اردو دہلی انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ بمبئی۔ ان اداروں میں کام کی رفتار اور نوعیت وہی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے تھی۔ ان کے علاوہ چند چھوٹے موٹے اور نئے ادارے بھی کھلے ہیں جو اردو میں کتابیں چھاپ رہے ہیں۔ روزنامے، سہ روزہ اور ہفتہ وار اخبارات وجرائد اور ماہانہ مجلات ورسائل جن میں معیاری بھی ہیں اور غیر معیاری بھی تقسیم سے پہلے کی طرح اب بھی نکل رہے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ خود اردو زبان کے ادب پر تحقیق وتنقید اور اس کے درس وتعلیم کا جو اہتمام اب ہے وہ پہلے نہیں تھا۔ ہندوستان میں یونیورسٹیوں کی تعداد کی نسبت سے اگرچہ بہت کم اتاہم متعدد یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے قائم ہیں اور پانچ چھ یونیورسٹیوں میں اس کی پروفیسرشپ بھی ہے۔ ان شعبوں کے ماتحت تعلیم وتدریس اور تحقیق وریسرچ کے کام ہو رہے ہیں۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ ان یونیورسٹیوں نے دہلی، علی گڑھ، الہ آباد، لکھنؤ، گورکھپور، کشمیر، حیدرآباد، بمبئی اور مدراس وغیرہ میں ایسے لائق وفاضل نوجوانوں کا ایک حلقہ پیدا کیا ہے۔ جنہوں نے اردو زبان میں تحقیق وتنقید کا معیار بلند کردیا۔ اور بہت اچھی اچھی کتابیں لکھی اور شائع کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں خاص لسانیات اور دکھنی زبان پر جو کام ہوا ہے۔ وہ بڑا قابلِ قدر اور امید افزا ہے اس نے زبان کا علمی وقار بڑھا دیا ہے۔ لیکن جو موضوع ہمارے ادیبوں اور مصنفوں کا سب سے زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے وہ فنِ تنقید ہے اس میں شبہ نہیں کہ ان پچیس برسوں میں اسی موضوع پر کتابوں اور مقالات کی وہ بھرمار ہوئی ہے جو کسی اور موضوع کے حصہ میں نہیں آئی لیکن تنقید صرافہ کا ایک ایسا بازار ہے جہاں کھوٹا اور کھرا سب کی کھپت ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ خوشی کی بات ہے اس سلسلہ میں جو لٹریچر پیدا ہوا ہے اس میں معیاری اور کھرے ادب کا پلہ بہ نسبت کھوٹے اور غیر معیاری کے بڑھا ہوا ہے۔ اور یہ ان اساتذہ کی کوششوں اور توجہ کا نتیجہ ہے جنہوں نے اردو کے نوجوان ادیبوں اور مصنفوں کی تربیت کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں خونِ جگر پیا ہے۔

اُردو کی اس ترقی کے سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہیں (۱) ایک یہ کہ اس زبان کی علمی اور ادبی دلکشی اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ اس کی ترقی اور پیش رفت میں اردو دانوں کے ساتھ ان حضرات کا بھی بڑا قابلِ قدر حصہ ہے جو دوسرے مضامین سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ عربی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارسی کے ساتھ تو خیر اس زبان کا شروع سے ہی چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اور اس کے میر کارواں عربی اور فارسی کے اساتذہ ان دونوں زبانوں کے ماہر رہے ہیں۔ عہد جدید کی خصوصیت یہ ہے کہ ان دو زبانوں کے علاوہ جن حضرات کا اصلاً اور اساساً تعلق انگریزی زبان کے ادب اور لٹریچر سے ہے۔ یا جو فلسفہ، نفسیات، تاریخ اور سیاسیات وغیرہ سے متعلق ہیں انہوں نے بھی اردو زبان کے ادب میں اپنی تحقیق و تنقید سے گراں قدر اضافہ کیا اور کر رہے ہیں، اور (۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں۔ گذشتہ پچیس برس میں اردو میں جو تحقیقی۔ تنقیدی یا شعری سرمایہ پیدا ہوا ہے اس میں بے شبہ ان ہندو۔ بلکہ بعض سکھ نوجوانوں کا بھی معتدبہ حصہ ہے جنہوں نے اپنی تخلیقات سے اردو ادب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور اس میں روز بروز اضافہ کر رہے ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے ایک صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ سائنس کے ڈاکٹر ہیں اور اب ان کو شوق ہوا تو یورپ کی کسی یونیورسٹی سے اردو میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں

علاوہ ازیں اردو کے جمال دلفروز کی جہاں تابی کا یہ عالم ہے کہ اپنے ملک سے باہر مشرق و مغرب کے دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر بنا لیا ہے۔ چنانچہ آج امریکہ یورپ۔ مشرق وسطیٰ۔ افریقہ اور اس کی یونیورسٹیوں میں اس کی تعلیم و تدریس کا انتظام ہے۔ ریسرچ کا بندوبست ہے اور مختلف قسم کے منصوبے ہیں جن کی تکمیل پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہے ہیں۔ اور میر و غالب کی غزلیں شیکسپیر اور ملٹن کے وطن میں گل اندامان مغرب گا رہے ہیں۔ ہندوستان میں گذشتہ سو برس کی تاریخ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر ریسرچ اردو زبان کو سیکھے بغیر مکمل ہو سکے۔ اس بنا پر جن غیر ملکی یونیورسٹیوں میں ہندولوجی کے ڈپارٹمنٹ قائم ہیں ان کے ماتحت اردو کی تعلیم کا بھی اعلیٰ بندوبست ہے۔ اردو کی بھی وہ فتوحات ہیں جن کے باعث وہ اپنے وطن کے نامہربان دوستوں کو خطاب کر کے کہہ سکتی ہے

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کو حق ہے۔ اردو کی اس عظمت شان و رفعت مقام پر جتنا بھی خوش ہونا چاہیں ہو لیجئے۔ لیکن اس انقلاب روزگار کو کیا کہئے کہ کل تک پورا ملک جس زبان کا وطن تھا۔ آج پچیس کروڑ انسانوں کی آبادی میں کوئی ایک علاقہ بھی ایسا نہیں جس میں وہ اکثریت کی زبان نہ سہی۔ اقلیت ہی کی زبان یعنی نمبر ۲ تسلیم کی گئی ہو۔ ہندوستان میں اردو (جس کی عوامی بولی کا نام ہندوستانی ہے) کے سوا کوئی اور زبان ایسی نہیں ہے، جو اپنے وطن اصلی کے علاوہ ہر صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہو اور اس طرح گویا بین الصوبجاتی زبان ہو۔ لیکن اسی خصوصیت اور وسعت کے باوجود آج سرکار کے کسی دفتر میں اس کا گذر نہیں۔ ملک کو آزاد ہوئے۔ ایک ربع صدی بیت گئی۔ اس مدت میں کیا کچھ نہیں ہوا! ہر چیز ترقی کر کے کیا سے کیا ہو گئی! ویرانے عظیم الشان شہر اور کھنڈرات محل بن گئے۔ لیکن یہ ایک اردو ہے جسے اسی ملک میں کہیں کوئی ایک ٹھکانہ ہی میسر نہیں!

ساون آئے پھول کھلے ایک افسردہ بول اٹھا ؎ جس میں دل کھل جاتے ہیں وہ برکھا کب ہوتی ہے

دستور نے جن چودہ زبانوں کو ملک کی زبان تسلیم کیا ہے ان میں ایک اُردو کا بھی نام ہے لیکن کس علاقے کی سرکاری زبان ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں کھوٹ ہوتا ہے تو انسان بڑی سے بڑی بے انصافی کے لئے بھی جواز کی کوئی دلیل پیدا کر لیتا ہے۔ لیکن اردو کے ساتھ یہ ناانصافی ایک ایسا کھلا اور واضح جرم ہے جس کا جواز کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس ملک میں ایسی لسانی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے اپنے عزم و ہمت اور استقلال و ایثار سے صوبوں کی تقسیم کرا کے اپنی زبان کے لئے ایک الگ صوبہ منوا لیا ہے۔ لیکن اردو کی بدقسمتی! اس کے پجاری وہ بہادر ہیں جو اُردو کو کارپوریشن تو کیا کسی میونسپلٹی کی زبان بھی نہیں بنوا سکے۔

حکومت کے دو حربے بہت سخت اور ساتھ ہی اب تک نہایت موثر ثابت ہوئے ہیں۔ ایک ہے دباؤ (PRESSURE) اردو: دوسرا ہے بہلاوا اور پھسلا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(PERSUATION.) یہی وہ دو حربے ہیں جن سے اس نے ناگا لینڈ اور کشمیر کو فتح کیا۔ اور ان کے حالات کو بدل کر رکھ دیا۔ حکومت بھی دو حربے شروع سے اُردو کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب کہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم جو اُردو تحریک کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ اور جنہوں نے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کی خدمت میں دستور کی ایک دفعہ کے ماتحت بیس لاکھ دستخطوں کا ایک میمورنڈم ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد جب ڈاکٹر صاحب ابھی بہار کے گورنر بھی تھے۔ ان میں کیسا انقلاب پیدا ہوگیا؟ اس کا اندازہ اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ ۵۹ء کے شروع میں میں نے انجمن ترقی اُردو مغربی بنگال کے صدر کی حیثیت سے کلکتہ میں ایک عظیم الشان انڈو پاک مشاعرہ کا اہتمام کیا اور اس کے ساتھ ہی انجمن کی دعوت پر کل ہند انجمن ترقی اُردو کی سالانہ کانفرنس بھی منعقد ہوئی۔ ان دنوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کلکتہ آئے ہوئے تھے سابقہ نیاز مندی کے تعلق سے ایک روز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس اور انڈو پاک مشاعرہ کا افتتاح کرنے کی درخواست پیش کی لیکن مجھ کو سخت مایوسی ہوئی۔ جب ڈاکٹر صاحب نے درخواست کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ازراہ معذرت فرمایا۔ اب میں اردو کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے سخت افسوس ہوا۔ واپس آکر دوستوں کے مشورے سے ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے۔ وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی درخواست پیش کی۔ موصوف بے چون وچرا فوراً رضامند ہو گئے۔ لہذا جو حضرات اس کانفرنس میں اس وقت موجود تھے۔ انہیں یاد ہوگا کہ ڈاکٹر رائے نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اُردو میں تقریر کی اور اردو کے کاز کی حمایت میں بڑی حوصلہ افزا باتیں کہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اس وقت گورنر تھے۔ اس کے بعد وہ برابر بلند ہوتے چلے گئے یہاں تک بلندی کا کوئی اور زینہ ہی نہ رہا۔ موصوف کے علاوہ اردو تحریک کے ابتدائی دور کے چند اور حضرات ہیں جن کو حکومت کی نظر عنایت کھا گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال حکومت نے اب تک بہلاؤ پھسلاؤ کی جو پالیسی اختیار کی ہے۔ اب مرکز میں ترقی اردو بورڈ اور اتر پردیش میں اردو اکاڈمی اور اردو بورڈ وغیرہ کا قیام یہ سب اسی کے شاخسانے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اردو والے اس ہمرنگِ زمین دام میں گرفتار ہو گئے تو اردو کا قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ آج اگر مرزا غالب ہوتے تو ان ترقی اردو بورڈوں اور اکاڈمیوں کے قیام پر بیساختہ فرماتے۔

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

چنانچہ خدا بھلا کرے مسلمانوں کی ... نام نہاد قیادت کا! حکومت کی اس نظرِ عنایت پر بہت مسرور اور مطمئن نظر آتی ہے۔ حالانکہ پچھلے دنوں اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ نے یہ فرما کر "اردو کے علاقائی زبان ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اردو کے حق میں سزائے موت یا کم از کم جلا وطنی کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ لیکن کوئی پوچھے اس اعلان کے بعد بھی اردو تحریک کا اس ملک میں کوئی وجود ہے؟ (باقی آئندہ)

ضروری گذارش

حضرات ممبران ادارہ اور برہان کے معزز ناظرین سے گذارش ہے کہ ادارہ کی جانب سے آپ حضرات کی خدمت میں یاد دہانی کے جو خطوط ارسال کیے جاتے ہیں۔ ان پر فوری توجہ فرما کر دفتر کو اپنی ہدایات سے مطلع فرما دیا کریں۔

خطوط ارسال فرماتے وقت یا منی آرڈر ارسال کرتے ہوئے کوپن پر اپنی ہدایات — اردو اور انگریزی میں مکمل پتہ اور چٹ پر لکھا ہوا اپنا خریداری نمبر درج فرمانا نہ بھولیں۔ نیازمند (منیجر)

© rasailojaraid.com